ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-05

ماخذ تحقیقی مجلّہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر سونیا بشیر

اسسٹنٹ پروفیسر یونیورسٹی کالج برائے خواتین، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان

اُردو افسانے میں پابندی اظہار کے خلاف ردِ عمل کا جائزہ

Dr Sonia Bashir *
Assistant Professor of Urdu, University College for women, AWKUM Mardan.

***Corresponding Author:**

An Analysis of Reaction against Censorship in Urdu Short Stories

Writers of every era in history have had to face many trials, because speaking and enduring the truth is not an easy task. However, poets and writers have endured the hardships of imprisonment for speaking the truth. Despite restrictions on freedom of expression, they found new ways to convey their inner thoughts. This research paper discusses the restrictions on freedom of expression and the reactions of writers to these limitations in Urdu short stories.

Key Words: *Short Stories, Urdu, Censorship, Short Stories, Reaction, Oppression, Independence.*

ہر دور کے زیرک انسانوں نے اندر اور باہر کی پابندیوں کے بارے میں سوچا ہے-اس سے نباہ کرنے یا اس کے بارے میں تحفظات کا اظہار کرنے میں بھی ذہن مختلف سوالات کی آماجگاہ بنا رہتا ہے- نئ اور پرانی نسل کی سوچ، عمل اور ردعمل کے زاویے بھی الگ الگ صورتوں میں ڈھلتے ہیں-

فرانسیسی مفکر روسو نے کہا تھا کہ "

انسان آزاد پیدا ہوا لیکن جہاں دیکھو وہ پابہ زنجیر ہے۔"۔ (۱)

یوں تو روسو کے اس جملے کو رومانیت کا خشت اول گردانا گیا تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس جملے کی معنویت میں اضافہ ہونے لگا-یہ جملہ محض رومانویت کا نقطہ آغاز نہ تھا بلکہ دور جدید کے فکری، ادبی، اور صحافتی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-05
ماخذ تحقیقی مجلہ

منظر نامے کے آئینے میں دیکھا جائے تو اسے ایک ایسے انقلاب کا پیش خیمہ قرار دیا جاسکتا ہے جو انسانی معاشرے کے بنیادی حق یعنی اظہار کی آزادی سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں نئی دنیا میں نئی حکومتوں اور بادشاہ گری کے نئے روپ سامنے آتے گئے ویسے ہی جبر نے بھی نئی شکلیں اختیار کر لیں۔ عابد محمود اعظم اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

> "اظہارِ رائے کی آزادی کا مفہوم تو یہ ہے کہ کسی کو بھی کھل کر اپنا نکتہ نظر بیان کرنے، سوال اٹھانے، اختلاف اور تنقید کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن دوسروں کی تذلیل اور کردار کشی کرنے اور دوسروں پر تہمتیں لگا کر اس کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں۔[۲]

اس وقت جب کہ دنیا ایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہو چکی ہے۔اس کے مضر اثرات بھی سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں جن میں سے ایک خرابی کی صورت ایک اظہارِ رائے پر قدغنیں بھی ہیں۔ اس سے پہلے بھی جب جاگیرداری اور سرمایہ داری اپنے پرانے ڈھرے پر گاؤں گاؤں اپنا استیلاط جمائے ہوئے تھی معاشرے میں استحصال ہوتا رہتا تھا۔ پھر آمریت اور فاشزم نے زور پکڑا اور زبانوں پر مہر لگانا شروع کئے۔ نئے نظاموں کی بات کی جائے تو نئے سیاسی دور میں جمہوریت کے نعرے کا بڑا بول بالا رہا لیکن یہ ایسی پابند جمہوریتیں ہیں جس میں ہاتھ پاؤں اور زبان ہلانے سے پہلے سو دفعہ سوچنا پڑتا ہے۔ اسی جبر نے قلم کی دنیا سے جڑے لوگوں کو بھی اپنے پیشہ وارانہ فرائض میں مجبور محض بنانے کی کوششیں کی ہیں۔ وقتاً فوقتاً مختلف آرڈیننس جاری کیے گئے جس کے مطابق کسی بھی لکھنے اور بولنے والے کو امن عامہ کے لیے خطرہ قرار دے کر اٹھایا جاسکتا ہے چنانچہ اس سلسلے میں نظر بندیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نقل و حرکت پر پابندیاں لگائی گئیں۔اور حق کی آواز کو دبایا جانے لگا۔اس سلسلے میں ہمارے مختلف کہانی کاروں نے جبر کے خلاف لکھا۔ خدیجہ مستور اُردو فکشن کا اہم نام ہے جس کے کریڈٹ پر آنگن جیسا ناول موجود ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب "چند روز اور" میں ایک افسانہ "محافظ الملک" کے نام سے تحریر کیا جس میں سیفٹی ایکٹ کو ایک کردار کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سیفٹی ایکٹ کا تعلق ہر اس دور سے بنتا ہے جب عدم مساوات کے خلاف آواز اٹھتی ہے اور اس آواز کو خاموش کرانے کے لئے سرکاریں اسی قانون کی مدد حاصل کرتی ہیں۔ افسانہ نگار نے اسے محافظ الملک کا نام دیا ہے۔ جو لوگوں کو اپنی رائے ظاہر کرنے سے روکتا ہے "محافظ الملک" جگہ جگہ پھرتا مختلف لوگوں کو گرفتار کرواتا ہے اور ان کے لیے مختلف سزائیں تجویز کرتا ہے۔ وہ ادیبوں اور شاعروں کو سخت جان اور ڈھیٹ لوگوں میں شمار کرتا ہے انہیں اپنے راستے سے دور رکھنے کے لیے وہ

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-05

متعدد حربے آزماتا ہے۔

"مولویوں کا ایک گروہ پیچھے لگا رکھا ہے کہ ان کے خلاف فتوؤں پر فتوے دیے جائیں مگر باز نہیں آیئے۔ خاص خاص اخبار اور رسائل بھی ان کی خبر لیتے رہتے ہیں مگر یہ ہیں کہ جیے جاتے ہیں۔جب دیکھو گڑبڑ مچادیں گے۔کیا ہی اچھا ہو کہ ہماری حکومت غیروں کے طعنوں کا خیال کیے بغیر اپنے ملک میں ان کی کاشت بند کرادے۔" (۳)

جن سزاؤں کو ان باضمیر لوگوں کے لیے روا رکھا جاتا ہے ان میں گرفتاری، جلاوطنی، رسالے و اخبار کی بندش، اور قید شامل ہیں۔

اس ترتیب میں ایک اور افسانہ نگار مسعود اشعر کا نام بھی اہم ہے۔ مسعود اشعر کے افسانے " خاموشی "کا ایک کردار قلمی نام سے لکھتا ہے یہ کردار بجائے بولنے کے خاموشی کو اہمیت دیتا ہے اس کے دوست اس معاملے میں خدشے کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ ایسا نہ ہو اس فرضی نام پر کوئی دوسرا بے گناہ کسی کے ہتھے چڑھ جائے۔ اس کردار کا جواب ہر بار یہی ہوتا ہے کہ وہ تو کسی چیز کسی عمل کا حصہ نہیں بنتا۔

"میں تو بالکل خاموش ہوں۔

تم جلدی سے بات ختم کر کے اطمینان کا سانس لیتے ہو۔

"مگر کیوں؟.....خاموش کیوں ہو؟ کیا یہ خاموشی شکوک پیدا نہیں کرتی؟؟۔....وہ جرح کر رہا ہے—

"مگر....."

"اور پھر وہ مضمون اور اس پر فرضی نام؟ کیا مقصد ہے۔ اس کا۔۔؟؟ " (۴)

در اصل اس افسانے میں واضح طور یہ بات سامنے آتی ہے کہ معاشرے میں اصل نام کی بجائے دیگر فرضی ناموں سے لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔۔ اردو کے علامتی افسانے میں ڈاکٹر انور سجاد کا نام کئی حوالوں سے اہمیت کا حامل ہے۔ ہمارا معاشرہ مختلف ادوار میں طرح طرح کی پابندیوں کا شکار رہا۔ انور سجاد اپنے افسانے " کارڈئیک دمہ " کے کردار کو طوفان میں گھرا ہوا دکھاتے ہیں دوسری جانب پہاڑوں کے پیچھے لوگ پنڈال میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ طوفان سے یوتے ہوتے بچ بچا کے جب یہ کردار وہاں پہنچتا ہے تو حلق میں اگے ہوئے کانٹوں کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں پاتا۔ یہاں یہ بات کرنا تو ایک طرف سانس لینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ دور آمریت کا

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-05

گھٹن یہاں پورے ماحول کو لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

انور سجاد پرندوں کی علامت استعمال کرتے ہوئے ان کی بولیوں اور صدائے احتجاج کی بات کرتے ہیں۔

> "سیاہ غبار میں اڑتی منوں کالی مٹی کے کروڑوں ذرات ان کی جھکی چونچوں سے داخل ہو کر ان کے پھیپھڑوں پر جم جاتے ہیں۔ ہر پل ان کا سانس اکھڑ تا ہے ۔ لفظ ہیں کہ ہر پل حلق میں آ کر پھول جاتے ہیں ا۔ پرندوں کے کانپتے خون کو پھیپھڑوں میں پمپ کرنے کی سعی میں اور بھی زور سے دھڑکتے ہیں۔ لہو کو آکسیجن مہیا کرنے کے بجائے اس میں مٹی کے ذرات گھول دیتے ہیں۔ " (۵)

اس افسانے کی روشنی میں دیکھا جائے تو گزشتہ سے پیوستہ معاشرہ سیاسی طور پر آج بھی اپنے بنیادی انسانی حقوق کے حصول کے لیے کیسے خارزاروں سے گزر رہا ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

> "ایک طرح سے انہوں نے اپنی دانست میں مرض کے تکنیکی سبب کو معروضی حقیقتوں سے جبری طور پر ملوث کرنے کی کوشش کی مگر مرض استعارہ نہ بن سکا۔" (۶)

انور سجاد ایک اور افسانے "نئی کونپل" میں تشدد کا نشانہ بننے والوں کو موضوع بناتے ہیں۔ جو لوگ سرکار کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں ان کو درختوں کے ساتھ باندھا جاتا ہے اور اسی تشدد کے نتیجے میں موت کی نیند سلایا جاتا ہے۔ ان کے لہو کی بوندیں درخت میں جذب ہوتی جاتی ہیں۔ اس ظلم پر پردہ ڈالنے کے لئے نہ صرف بستی کے پیڑوں بلکہ پورے قصبے کو جلایا جاتا ہے اس جلاؤ سے بستی کے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا دی جاتی ہے۔ اس زبان بندی پر افسانہ نگار لکھتے ہیں۔

> "اس بستی کے بیشتر، جلے ادھ جلے گھروں کی دیواروں، سوختہ نیم سوختہ کھڑکیوں دروازوں سے تو کیا جب صحیح و سالم مکانوں کی کھڑکیوں دروازوں سے بھی گزرتی ہے تو چپ۔ اٹوٹ خاموشی۔ کنواریاں، بہورانیاں راکھ سے اٹے سروں پر چادریں سنبھالتی, بین کرتی ماؤں کے آنسو خشک کر کے اب انہیں گھروں میں لے آئی ہے جن کی چاردیواریوں سے باہر تحفظ کے لیے پہرہ لگا دیا جاتا ہے۔" (۷)

لیکن افسانہ نگار یہ بات بھی سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں ک سارے دن یکساں نہیں ہوتے۔ بدلاؤ کی صورتیں خود بخود معاشرے کے اپنے اندر سے ہی اٹھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ گھٹن جب زیادہ طویل ہونے لگے تو پھر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-05

ماخذ تحقیقی مجلہ

بغاوت کا راستہ خود بخود کھلنے لگتا ہے۔ پس ایک وقت آتا ہے جب جلے ہوئے درختوں میں امید کی نئی کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں۔

"کنواریاں، بہورانیاں اپنے سروں سے چادروں کو نوچ پھینک کر، چاردیواری کے حصار کو توڑ کر، نئے سورج کو جنم دینے کی خواہش میں اینٹھتی تڑپتی کوکھوں کے درد کو ہاتھوں سے سنبھالتی باہر نکل آتی ہیں۔ ان کے سیلاب کے سامنے پہرے دار، گدھ، سنگینیں، آنسو گیس، گولیاں، فیتے، تمغے سب خس وخاشاک ہو جاتے ہیں۔"۔ (۸)

ظلم کے خلاف آواز اٹھانے میں ہمارے کہانی کاروں نے دور کے مطابق طرح طرح کی کہانیاں تراشی ہیں۔ ہمارے ماضی کا جتنا بھی دور گزرا ہے کم از کم گزشتہ دو سو برسوں میں ایسے لمحے شاید ہی کسی کی قسمت میں آئے ہوں گے جب کسی کو کھل کر اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی آزادی میسر آئی ہو۔ چنانچہ پابندیوں کے ادوار میں خوفناک خوابوں پر مشتمل افسانے بھی منظر عام پر آئے۔ ان میں سے ڈاکٹر رشید امجد کا افسانہ "دھندلکا" اس پریشان خواب کی کتھا ہے جو حالات اور ماحول کی خرابیوں کے نتیجے میں انسانی لاشعور میں جگہ پا لیتے ہیں۔ جب غیر یقینی صورتحال میں ڈر اور دہشت لاشعور اور تحت الشعور کے واسطے فرد کے سامنے نت نئے راستے محسوسات کی شدت میں کھول دیتے ہیں۔ تو خواب اور حقیقت آپس میں مبدل ہونے لگتے ہیں ڈاکٹر صفیہ عباد اس ضمن میں لکھتی ہیں۔۔

"کردار آن واحد میں ان دنیاؤں کا باسی بن گیا۔۔۔۔ کردار کی ٹھوس شکل بھی بدلنے لگی۔ افسانے سے وہ بے دخل تو نہ ہوا لیکن چھوئی موئی کی طرح کبھی موجود اور کبھی غائب ہونے لگا، کبھی پھیلنے اور کبھی سکڑنے لگا۔ اس کے اندر کی لچک دار فطرت میدان عمل میں اتری۔ گویا کردار کا وجود 'اس کا نشان ذات سے زیادہ صفات میں بدلتا چلا گیا۔"(۹)

افسانہ "دھندلکا" آزادی اظہار کی راہ میں حائل پابندیوں پر سوالیہ نشان لگاتا ہے۔ اس کہانی کا کردار خوف کا شکار ہو چکا ہے اور اب سوتے جاگتے یہ خوف اس کا پیچھا کرتا ہے۔ وہ ڈراؤنے خواب دیکھتا ہے کہ وہ کسی اجنبی کو لفٹ دینے پر پولیس کی نظروں میں آ گیا ہے۔ اسے بے جا تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس اس اجنبی کے پمفلٹ رہ جاتے ہیں۔ ساری رات اسی سوال وجواب میں گزر جاتی ہے کہ یہ پمفلٹ کہاں سے آئے کس پریس نے چھاپے اور کون کون سے لوگ اس عمل میں شریک ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-05

"اس کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا-اس دوران مار کھا کھا کر اس کی آنکھ سوجھ گئی- جسم پر جا بجا نیل پڑ گئے اور شاید ٹخنے کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی-"(۱۰)

کہانی جب اپنے اختتام کو پہنچتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ نہ تو اس کردار کے پاس کسی کو لفٹ دینے کے لیے موٹر سائیکل ہے اور نہ ہی کہیں پر اس کی گرفتاری عمل میں آئی ہے- بلکہ وہ ایک ڈراؤنے خواب سے گزر رہا تھا- جب کبھی بھی کوئی معاشرہ مسلسل قدغنوں کا شکار ہو جاتا ہے اور اس حبس کے ردعمل میں کوئی آواز اٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو اس پر ظلم و تشدد کیا جاتا ہے-یہ خوف گھر گھر فرد کے دل ودماغ اور گھر کے درودیوار سے ہوتے ہوئے خوابوں میں بھی در آتا ہے اور بے سکونی و بے اطمینانی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے-

رشید امجد کے ایک اور افسانے "تماشا عکس تماشا" میں بھی ایک بے بس معاشرے کی تصویر پیش کی گئی ہے- جہاں ہر شخص کی زبان پر تالے پڑ چکے ہیں- اس افسانے کے مظلوم شہری مدد کے منتظر ہیں اور وہ کسی نجات دہندہ کی راہ تک رہے ہیں- جب افسانے کا ہیرو مظلوموں کی صدا پر مدد کی خاطر پہنچتا ہے تو اس کے لیے شہر میں داخلے کے دروازے بند ہو چکے ہوتے ہیں- بے بس شہری حکم حاکم سے مجبور ہیں- شہر کے نام نہاد محافظین مدد کرنے والے کو واپس جانے کا حکم صادر کرتے ہوئے طرح طرح کے جواز پیش کرتے ہیں جب یہ کردار پوچھتا ہے کہ اسے کیوں واپس لوٹایا جا رہا ہے تو اسے جواب ملتا ہے-

"شہر کے لوگ نہیں چاہتے کہ آپ ان کے پاس آئیں-"

لیکن کیوں؟ انہوں نے خود ہمیں خط لکھ کر بلوالیا ہے- اب ان کے دل کیسے بدل گئے؟-"

دل تو ان کے اب بھی آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں---"

اور وہ کہتے ہیں چپ چاپ چلے آؤ، بولو کچھ نہیں""(۱۱)

اس کردار کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ سوال کرنا ایک بہت بڑا جرم ہے یا تو خاموشی اختیار کی جائے یا پھر زہر حاضر ہے- لیکن شہر کی بربادی پر بولنے اور اپنی شناخت کے بارے میں استفسار کرنے کی اجازت نہیں- انور زاہدی کی کہانی میں بھی یہی اندھیرا ہے جو کبھی نہ ختم ہونے والی چپ کی کوکھ سے نکلا ہے- اس کے افسانے "وبا" کے کردار خوف کے سائے میں چلتے ہیں- ان کی آنکھوں اور دل ودماغ سے یقین اور اعتماد کی روشنی چھینی جا چکی ہے- اور اس ساری صورتحال کی ذمہ دار وہ ریاستی جبر ہے جس نے ہر جگہ پہرے بٹھا رکھے ہیں- اور جس کے نتیجے میں چپ کسی متعدی بیماری کی طرح پھیل رہی ہے-

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-05

> "مرکز سے چاروں سمت تقریباً سارے ہی شہر، دیہات اس کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ جسے دیکھو یوں ہونٹ بند کیے پھرتا ہے جیسے سل گئے ہوں۔ کہیں بے چہرہ لوگوں کا ذکر ہے، کہیں پراسرار جانوروں کا قصہ ہے۔ کیا حاکم کیا محکوم کیا راجا کیا پرجا کسی کو کسی پر اعتبار نہیں۔" (۱۲)

ادیب سچ کا ساتھ نہ دے تو اسے ادیب کہلانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس سچ کی پاداش سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ قدم قدم پر حق اور باطل کے معرکے میں قتل ہوتی آوازوں کے بیچ میں سچائیوں کو اعتبار دلانے والے لفظ بار بار چولا تبدیل کرنے پر اکساتے ہیں لیکن قلم کار چولا بدل کر بھی اپنی بات کہہ جاتا ہے کوئی خواب بیچتا ہے کوئی خریدتا ہے لیکن یہ خواب اس قدر تلون رکھتے ہیں کہ جس کو محسوب و شمار میں لانا آسان نہیں ان خوابوں کی تعبیروں کے لیے سرگرداں رہنے والوں کو ہر موڑ پر طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے بہت سے ناکردہ گناہوں کی سزائیں ملتی ہیں۔ ایسے ہی خواب دیکھنے والا ایک کردار افسانہ نگار احمد داؤد کے یہاں بھی موجود ہے جو اپنے بارے میں لکھتا ہے۔

> "مجھے بھی ناکردہ جرائم میں پکڑ لیا گیا۔ فوری سماعت کی عدالت نے غداری، تخریب کاری اور فحاشی کے الزامات کی فہرست سامنے رکھ کر اعتراف کرنے کے لیے کہا۔ میرے انکار پر میرے جسم کے ساتھ جو کچھ ہوا تمہیں پتہ ہے؟؟؟...میرے انکار پر ایک دن وہ شفق کو نہ جانے کہاں سے لے آئے۔ پروفیسر ملک کہا کرتے تھے تیسری دنیا میں ماں، بہن اور بیٹی کا رشتہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ ریاست ان رشتوں کو بندے کے خلاف استعمال کرتی ہے اور بندہ پھر ان رشتوں کے قابل نہیں رہتا۔" (۱۳)

اظہارِ رائے کی آزادی کسی بھی انسان کا بنیادی حق ہے۔ اور مختلف قوانین کی آڑ میں فرد سے اس کا یہ حق چھیننا بدترین جرم ہے۔ رائے کی آزادی کا حق مذہب نے بھی انسانوں کو دیا ہے جو داخلی اور خارجی دونوں سطح پر فرد کی فطرت سے عین مطابقت رکھتا ہے لیکن ان قوانین اور ضابطوں کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسرے کے حق پر اپنی اناؤں کو فوقیت دی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ سیاسی اور سماجی سطح پر آزادی فکر و عمل کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ بیرسٹر حمید باشانی لکھتے ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 2, (April to June 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-II)urdu-05

ماخذ تحقیقی مجلہ

"چند لوگ یا چند گروہ رائے عامہ کو کنٹرول کرتے ہیں۔ لیکن اظہارِ رائے اور تنقید کی آزادی کے بغیر جمہوریت ایک فریب ہے۔ کئی ملکوں کے آئین میں بھی اظہار رائے کے باب میں جو کچھ درج ہے وہ آزادیٔ اظہار رائے کی مکمل ضمانت فراہم کرتا ہے لیکن بد قسمتی سے عملی طور پر کسی کو یہ ضمانت میسر نہیں۔"(۱۴)

کوئی بھی معاشرہ جو حریت فکر کی آزادی کا دعویٰ کرتا ہے غیر ضروری روک ٹوک کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ادیبوں اور شاعروں نے تاریخ کے ہر دور میں کہانی اور شعر کے مختلف سانچوں میں تحریر و تقریر کی آزادی کے لیے آواز اٹھائی ہے۔ اس سلسلے میں انہیں مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن وہ سچائی کے اظہار کے لئے اپنے موقف پر ڈٹے رہے کہ یہی باضمیر قلمکاروں کا شیوہ رہا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انور سدید۔ ڈاکٹر۔ اُردو ادب کی تحریکیں۔کتابی دنیا۔ دہلی۔ ۲۰۰۴۔ ص ۸۵
۲۔ عابد محمود اعظم۔ اظہار رائے کی آزادی۔ روزنامہ ایکسپریس۔۰۲ اپریل۔ ۲۰۱۷
۳۔ خدیجہ مستور۔ چند روز اور۔ سنگ میل پبلی کیشنز۔ لاہور۔ ۱۹۹۸ ص ۶۷
۴۔ مسعود اشعر۔ سارے فسانے۔ سنگ میل پبلی کیشنز۔ لاہور۔ ۱۹۸۷ ص ۱۳۶
۵۔ انور سجاد۔ ڈاکٹر۔ استعارے۔ اظہار سنز لاہور۔ ۱۹۷۰۔ ص ۱۳۲
۶۔ گوپی چند نارنگ۔ اُردو افسانہ روایت اور مسائل۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۲ ص ۵۱۴
۷۔ انور سجاد۔ نئی کونپل۔ مشمولہ آج مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۲ ص ۸۵
۸۔ ایضاً۔ ص ۸۸
۹۔ صفیہ عباد۔ رشید امجد کے افسانوں کا فنی و فکری مطالعہ_پورب اکادمی۔ اسلام آباد۔ ۲۰۰۷۔ ص ۴۵
۱۰۔ رشید امجد۔ ست رنگے پرندے کے تعاقب میں۔ حرف اکادمی۔ راولپنڈی ۲۰۰۲ ص ۸۴
۱۱۔ رشید امجد۔ پت جھڑ میں خود کلامی۔ اثبات پبلی کیشنز۔ راولپنڈی۔ ۱۹۸۴۔ ص ۶۶
۱۲۔ انور زاہدی۔وبا۔ مشمولہ عذابِ شہر پناہ۔ابلاغ بلیوایریا۔ اسلام آباد۔۱۹۹۱۔ ص ۱۰۲
۱۳۔ احمد داؤد۔ خواب فروش۔ دوست پبلی کیشنز۔ اسلام آباد۔ ۱۹۹۶۔ص ۵۳۔ ۵۴
۱۴۔ حمید باشانی، بیرسٹر۔ شاہراہ خیال۔ روزنامہ دنیا۔۲۰۲۱-۰۶-۰۷